HARF-O-SUKHAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

طعام المساکین کی مسلم روایت قرآن و سنۃ کے تناظر میں

THE MUSLIM TRADITION OF FOOD FOR DEPRIVED PEOPLE IN THE CONTEXT OF THE QUR'AN AND SUNNAH

☆محمد علی یزدانی

ایم فل اسکالر، شعبہ اسلامی فکر و تہذیب، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور

ABSTRACT

In the religion of Islam, the encouragement of feeding has been given on every occasion, for example, feeding the poor, quenching their hunger and thirst as a result of supporting widows, quenching their hunger and poverty in the form of caring for orphans, By sympathizing with the elderly, cooling the fire in their stomachs, arranging for the needs of their subordinates and especially bread, feeding them in the form of fidya, making others break their fast in the case of not fasting, giving charity to the poor in the form of Sadaqah al-Fitr, providing commodities such as wheat, rice, barley and dates, delivering meat to the homes of the poor on Eid al-Adha, arranging rations for beggars and the needy, and even sympathizing with people imprisoned as a result of crimes. Our religion Islam encourages us and advises us to feed them too.

Keywords*: Hunger, Thirst, encouragement of deprived peoples, sympathizing, supporting.*

انسان کی دنیاوی ضروریات میں بنیادی حیثیت کی حامل چند چیزیں جن میں روٹی، کپڑا اور مکان ہے، اگر ان میں سے ایک بھی انسان کو دستیاب نہ ہو تو زندگی گزارنا انتہائی مشکل بلکہ کھانا پینا نہ ملنے پر انسان کی زندگی سرے سے ہی ختم ہو جائے، کپڑے اور مکان کا حصول انسانی تاریخ میں محل نظر رہا ہے، یعنی کپڑوں کی جگہ پتے چمٹا کر اور مکانوں کی جگہ خیموں، غاروں اور پتوں سے بنی ہوئی چھال کے جھونپڑوں میں بھی زندگی گزارنے کا تصور ملتا ہے، مگر کھانا پینا ایک ایسی چیز ہے جس سے انسان کی بقاء کا دارومدار وابستہ ہے، اس کے بغیر انسان تو کیا کوئی بھی ذی روح زندہ نہیں رہ سکتا۔اسی لیے انسان کی سرشت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ودیعت کر دی ہے کہ وہ اپنی اور دوسرے کی بھوک پیاس کا درد محسوس کرسکتا ہے، اس کی فطرت، خصلت، سبھاؤ اور جبلت میں یہ بات موجود ہے کہ اگر مجھے بھوک لگتی ہے تو دوسرا بھی بھوک محسوس کرتا ہے، اور جب کبھی یہ ضرورت پوری نہ ہو تو وہ نہ جانے کیا کچھ کرگزرتا ہے حتی کہ انسانی جان بھی لینے سے گریز نہیں کرتا۔

جس طرح اسلام کا تصور مساوات، تصور آزادی، شخصی آزادی کا صحیح تصور، حقوق انسانی، بچوں کے حقوق، بوڑھوں اور عورتوں کے حقوق، مسافروں اور قیدیوں کے حقوق، مسلم معاشرے میں رہتے ہوئے ذمیوں کے حقوق متعین کیے گئے ہیں، ایسے ہی معذوروں کے دائرہ کار اور حقوق کا بھی بہرصورت خیال رکھا گیا ہے، جس کی بجا آوری ہر مسلمان پر لازم ہے۔معاشرتی عدل و انصاف اور خصوصاً کمزوروں ، ضعیفوں اور ناتواں لوگوں کے حقوق کا خیال رکھے بغیر تصورِ مساوات اور تصورِ عدل کو قائم نہیں کیا جا سکتا۔

دین اسلام میں کھانا کھلانے کی ترغیب ہر ہر موقع پر دی گئی ہے، مثلاً مساکین کو کھلانا، بیواؤں کی کفالت کے نتیجے میں ان کی بھوک پیاس مٹانا، یتیموں کے سر پر دستِ شفقت رکھنے کی صورت میں ان کی بھوک و افلاس کو مٹانا، بزرگوں کے ساتھ ہمدردی کرتے ہوئے ان کے پیٹ کی آگ کو ٹھنڈا کرنا، اپنے ماتحتوں کی ضرورتوں اور بالخصوص روٹی کا بندوبست کرنا، فدیہ کی صورت میں کھانا کھلانا، روزہ نہ رکھنے کی صورت میں دوسروں کو افطاری کروانا، صدقۂ فطر کی صورت میں غرباء کو گندم، چاول، جَو اور کھجور جیسی اجناس فراہم کرنا، عید قرباں پر مساکین کے گھروں میں گوشت پہنچانا، مانگنے والوں اور محروم المال لوگوں کے واسطے راشن کا بندوبست کرنا، حتی کہ جرائم کے نتیجے میں قیدی ہونے والے لوگوں سے بھی ہمدردی کرنے کی ترغیب ہمارا دین اسلام ہمیں دیتا ہے اور انہیں بھی کھانا کھلانے کی تلقین کرتا ہے۔

اہل لغت نے کھانا کھانے، کھانا تیار کرنے، اور باہم مل کر یعنی دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے سے متعلق تراکیب بیان کی ہیں، القاموس الوحید کے مطابق:

''طَعِمَ، طَعْمًا وطَعَامًا'' کھانا۔''فُلَانًا طُعْمَۃً''کسی کے لیے کھانا تیار کرنا۔''طَاعَمَہُ''کسی کے ساتھ کھانا کھانا۔''اسْتَطْعَمَ فُلَانًا''کسی سے کھانا کھلانے کی خواہش کرنا، کھانا طلب کرنا۔''الطَّعَامُ''کھانا، ہر وہ چیز جو کھائی جائے اور جسم کی بقاء کا اس پر مدار ہو، اہل حجا اور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

اہل عراق عام طور پر اس کا اطلاق گیہوں پر کرتے ہیں، اشیاء خوردنی جیسے گیہوں، جو اور کھجور وغیرہ جن کو بطور انسانی خوراک استعمال کیاجاتا ہے ج:اَطْمَۃَ‘‘۔[1]

اسی طرح دستر خوان کیلئے:

’’السُّفْرَۃُ:توشۂ مسافر، توشہ دان، کھانا لگا ہوا دستر خوان، ج:سُفَرٌ ‘‘۔[2]

’المنجد‘ لغت کے مطابق:

’’اَطْعَمَ: کھانا کھلانا۔طَاعَمَہٗ: ساتھ کھانا۔المَطْعَم: کھانے کی جگہ۔الطُعْمَۃ: خوراک۔کھانے کی دعوت‘‘۔[3]

’’القاموس الجدید ‘‘میں دستر خوان کے عربی میں استعمال ہوئے الفاظ سے متعلق درج ہے:

’’دستر خوان: خوان، ج: خوانات، سماط، ج: اسمطۃ، سفرۃ ج:سفر، مائدۃ، ج:موائد (مائدۃ عامرۃ بالطعام)۔دستر خوان لگانا: تَنْسِيْقُ مَائِدَۃ، بَسْطُ خِوَان وَسِمَاطٍ‘‘۔[4]

لفظ ’’دستر خوان‘‘ فارسی زبان میں مستعمل ہے، فرہنگ آصفیہ کے مطابق:

’’دَسْتَر خوان:اسم مذکر: سفرہ، کھانا کھانے کی چادر یا کپڑا، میز کی چادر (یہ لفظ ہندوستان کے فارسی دانوں کا بنایا ہوا ہے)۔اسی طرح دستر خوان بڑھانا: فعل متعدی، دستر خوان اُٹھانا یا سمیٹنا‘‘۔[5]

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کھانے سے جڑے احکام اور ان کی تفصیلات کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

’’انسان کا جسم اللہ تعالی کی ایک امانت ہے اور اس امانت کی حفاظت کے لیے غذا، لازمی شے ہے، اس لیے اتنی مقدار میں کھانا تناول کرنا کہ انسان اپنی جان بچا سکے اور اللہ تعالیٰ نے جو فرائض و حقوق اس سے معلق کیے ہیں، ان کو ادا کر سکے، واجب ہے، اس سے زیادہ آسودگی کے قریب تک کھانا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکے اور نہ سہولت اپنی ذمہ داریوں کو پوری کرے مستحب ہے، پوری طرح آسودہ ہو کر کھانا مباح ہے اور آسودگی سے زیادہ کھانا ناپسندیدہ عمل ہے، کیوں کہ یہ اسراف بھی ہے، اپنی صحت کو نقصان پہنچانا بھی اور سستی و کاہلی پیدا ہونے کا باعث بھی‘‘۔[6]

معاشرے میں بھوک و افلاس کا شکار طبقہ انتہائی ہمدردی کا مستحق ٹھہرتا ہے، مناسب توجہ اور بہتر منصوبہ بندی نہ کرنے کی وجہ سے ایسے محروم المال لوگ در بدر پھرتے ہیں، کیونکہ ان کے اندر اتنی سکت اور طاقت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے حقوق کی جنگ لڑ سکیں، اپنے تحفظات اور خدشات کا اظہار کر سکیں اور معاشرے سے اپنا مناسب حق لے سکیں، نتیجے کے طور پر ایسا طبقہ مانگنے پر اور گداگری کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، بسا اوقات اچھے اور کھاتے پیتے گھرانوں کے لوگ بھی عدم توجہ اور سہولیات کی محرومی کا شکار ہو کر ایسا کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، ذیل میں ان آیات و احادیث کو نقل کیا جارہا ہےجو مساکین و بھوک و افلاس کے شکار لوگوں کے لیے انتہائی اہمیت کی حامل ہیں:

’’ عَنْ أَبِي بُرَيْرَۃَ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللہِ ﷺ: إِنَّ اللہَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَۃِ:يَا ابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِی، قَالَ: يَا رَبِّ كَيْفَ أَعُودُکَ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ، قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِی فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْہُ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّکَ لَوْ عُدْتَہُ لَوَجَدْتَنِی عِنْدَہُ؟ يَا ابْنَ آدَمَ اسْتَطْعَمْتُکَ فَلَمْ تُطْعِمْنِی، قَالَ:يَا رَبِّ وَكَيْفَ أُطْعِمُکَ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ، قَالَ:أَمَا عَلِمْتَ أَنَّہُ اسْتَطْعَمَکَ

[1] قاسمی کیرانوی، مولاناوحیدالزماں، ’’القاموس الوحید‘‘، ادارہ اسلامیات، لاہور۔کراچی، مادۃ: طعم، ص:۹۹۹

[2] ایضاً، مادۃ: سفر، ص:۷۷۴

[3] لوئیس معلوف، ’’المنجد‘‘، مترجم: مولاناعبدالحفیظ بلیاوی، مکتبہ قدوسیہ۔لاہور، مادۃ: طعم، ص:۵۱۴

[4] قاسمی کیرانوی، مولاناوحیدالزماں، ’’القاموس الجدید‘‘، ادارہ اسلامیات، لاہور۔کراچی، ص:۴۵۶

[5] دہلوی، مولوی سیّد احمد، ’’فرہنگ آصفیہ‘‘، اُردو سائنس بورڈ۔لاہور، ج:۲، ص:۲۴۸

[6] سیف اللہ رحمانی، مولاناخالد، ’’قاموس الفقہ‘‘، زمزم پبلشرز۔کراچی، ج:۲، ص:۲۱۳

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

عَبْدِی فُلَانٌ، فَلَمْ تُطْعِمْہُ؟ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّکَ لَوْ أَطْعَمْتَہُ لَوَجَدْتَ ذَلِکَ عِنْدِی، یَا ابْنَ آدَمَ اسْتَسْقَیْتُکَ، فَلَمْ تَسْقِنِی، قَالَ: یَا رَبِّ کَیْفَ أَسْقِیکَ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِینَ، قَالَ: اسْتَسْقَاکَ عَبْدِی فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِہِ، أَمَا إِنَّکَ لَوْ سَقَیْتَہُ وَجَدْتَ ذَلِکَ عِنْدِیْ‘‘۔[1]

” سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن اپنے بندے سے)فرمائے گا: میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا لیکن تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، بندہ کہے گا: اے میرے رب! آپ نے مجھ سے کیسے کھانا مانگا تھا کہ میں نے آپ کو کھانا نہیں کھلایا، آپ تو رب العالمین ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو نہیں جانتا کہ بے شک میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگ تھا لیکن تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا تھا؟ کیا تو جانتا ہے کہ بے شک اگر تو اس کو کھانا کھلا دیتا تو اسے میرے پاس پالیتا؟ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے مجھے پانی نہیں پلایا تھا۔ بندہ کہے گا: اے میرے رب! میں تجھے کس طرح پلاتا اور آپ رب العالمین ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بے شک میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے اسے پانی نہیں پلایا، کیا تو نہیں جانتا ہے کہ بے شک اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو اسے میرے پاس پالیتا؟ اے ابن آدم! میں بیمار ہوا لیکن تو نے میری عیادت نہ کی، بندہ کہے گا: اے میرے رب! میں آپ کی کس طرح عیادت کرتا آپ تو رب العالمین ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو نہیں جانتا کہ بے شک میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا اگر تو اس کی عیادت کرتا تو اسے میرے پاس پالیتا یا تو مجھے اس کے پاس پاتا“۔

نور الزمان نوری مذکورہ بالا حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

”اللہ کریم کی شانِ بندہ نوازی کو اپنے پریشان و خستہ حال بندوں سے کتنا قرب ہے اور ان سے ہمدردی کرنے والا، ان کی پریشانیوں کا ازالہ کرنے والا اور ان کی حاجات پوری کرنے والا اسے کس قدر محبوب ہے کہ ان کی مدد کو اپنی مدد قرار دیتا ہے۔اور ان سے ہمدردی و غمخواری کو اپنی ذات سے منسوب کرتا ہے“۔[2]

بھوک کی آفت میں مبتلا طبقے کا خیال رکھنا اہلِ ثروت اور اہلِ زر کے لیے بے حد ضروری ہے، جس کی قرآن و حدیث میں بہت تلقین کی گئی ہے، اگر اس طبقے کو محروم رکھا جائے یا اس طبقے کے ساتھ امتیازی سلوک (discrimination) روا رکھا جائے تو نہ صرف اس سے معاشرے کے محکوم طبقے کا استحصال ہوتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت بھی ایسے لوگوں کے شامل حال نہیں رہتی جو لوگ معذور اور محکوم طبقے کا خیال نہیں رکھتے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

’’ہَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِکُمْ‘‘۔[3]

”تمہیں اپنے کمزور اور معذور لوگوں کی بدولت رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے“۔

اسی طرح مفلوک الحال اور فقیر و نادار طبقے کو حقیر سمجھنا، انہیں کمتر سمجھنا بھی اسلامی احکامات کے خلاف ہے، نبی کریم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص فقر و فاقے میں مبتلا افراد کو بے وقعت جانے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ :

’کَانَ أَخَوَانِ عَلَی عَہْدِ النَّبِیِّ ﷺ فَکَانَ أَحَدُہُمَا یَأْتِی النَّبِیَّ ﷺ وَالْآخَرُ یَحْتَرِفُ، فَشَکَا الْمُحْتَرِفُ أَخَاہُ إِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ:لَعَلَّکَ تُرْزَقُ بِہِ‘‘۔[4]

”نبی کریم ﷺ نے زمانے میں دو بھائی تھے، ان میں سے ایک نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوتا اور دوسرا معذور تھا، پس تندرست نے اپنے معذور بھائی کی نبی کریم ﷺ سے شکایت کی (کہ وہ کوئی کام کاج نہیں کرتا) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہیں اسی کی بدولت رزق دیا جاتا ہے“۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

’’مَنْ سَرَّہُ أَنْ یُبْسَطَ لَہُ فِی رِزْقِہِ، أَوْ یُنْسَأَ لَہُ فِی أَثَرِہِ، فَلْیَصِلْ رَحِمَہُ‘‘۔[5]

---

[1] بخاری، ’’الجامع الصحیح‘‘، کتاب البر والصلۃ، باب فضل عیادۃ المریض

[2] نوری، نورالزماں، ”غریب پرور رسول ﷺ“، منہاج القرآن پبلیکیشنز۔ لاہور، ص:۳۸

[3] بخاری، ’’الجامع الصحیح‘‘، کتاب الجهاد والسیر، بَابُ مَنِ اسْتَعَانَ بِالضُّعَفَاءِ وَالصَّالِحِینَ فِی الحَرْبِ

[4] ترمذی، ’’السنن‘‘، کتاب الزھد، باب فی التوکل علی اللہ

[5] بخاری، ’’الجامع الصحیح‘‘، کتاب البیوع، باب من أحب البسط فی الرزق

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

”جسے پسند ہو کہ اس کے رزق میں فراخی کی جائے اور اس کی عمر دراز کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے“۔

ان نصوص سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انسانی خدمت میں اسلام مذہب، رنگ و نسل اور وطنیت کی تفریق کو گوارا نہیں کرتا اور وحدت بنی آدم کے طاقتور تصور کے ذریعہ انسانی شرافت و کرامت ، عظمت و اخوت کی ایسی فضا قائم کرنا چاہتا ہے، جس میں ہر شخص کو بلاامتیاز خوشگوار زندگی گزارنے کے یکساں مواقع حاصل ہوں، محفوظ الرحمن شاہین معذوروں کے حقوق سے متعلق لکھتے ہیں:

۱۔ معذوروں کو محرومی اور اپنی بدنصیبی کا تلخ احساس نہ ہو اور نفسیاتی طور پر ان کی صحت یابی اور جسمانی نشوونما ممکن ہو سکے۔

۲۔ اپنی معذوری کی بنا پر وہ انسانی سوسائٹی میں خود کو الگ تھلگ نہ سمجھے، ورنہ اس کی صحت اور متاثر ہو گی۔

۳۔ گرے پڑے لوگوں کو جینے کا حوصلہ ملے اور زندگی کی امانت کو وہ خود پر بوجھ نہ سمجھیں۔

۴۔ احساسِ محرومی کے نتیجے میں خودکشی جیسی حرکت کا ارتکاب نہ کریں۔

۵۔ زندگی کے حقوق و فرائض کی حسب استطاعت ادائیگی میں دوسروں کے شریکِ کار رہیں۔

۶۔ اپنی ذہنی ، فکری، تجرباتی اور عملی صلاحیتوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچا سکیں۔

۷۔ صحت مند افراد کو معذوروں کی خدمت کا جذبہ نصیب ہو اور وہ فلاح دارین حاصل کر سکیں۔[1]

قرآن و سنۃ میں طعام مساکین کے دلائل:

قرآن کریم میں مختلف کفارات میں طعام مساکین کا جواز موجود ہے، کچھ معاملات میں یہ احکامات فرضیت کا درجہ رکھتے ہیں، جیسے ظہار کی صورت میں ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا، اس کے علاوہ بہت سے ایسے مقامات ہیں جن میں تعمیل میں کمی بیشی کی صورت میں فدیہ کے حکم پر عمل درآمد کرنا ہر صورت ضروری ہے، قرآن حکیم میں بیمار اور مسافر کے روزے سے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ }[2]

”اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں، اُن کے ذمے فدیہ ہے ایک مسکین کو کھانا کھلانا“۔

مسند ابی یعلیٰ میں مساکین کو کھانا کھلانے کی روایت کے ضمن میں حضرت انسhکا عمل درج ذیل حدیث کی صورت میں موجود ہے:

’’ضَعُفَ أَنَسٌ عَنِ الصَّوْمِ فَصَنَعَ جَفْنَةً مِنْ ثَرِيدٍ فَدَعَا بِثَلَاثِينَ مِسْكِينًا فَأَطْعَمَهُمْ‘‘۔[3]

”حضرت انس hاس قدر کمزور ہو گئے کہ روزہ نہیں رکھ سکتے تھے تو انہوں نے گوشت روٹی کے بڑے بڑے پیالے تیار کروائے اور تیس مسکینوں کو بلا کر کھانا کھلایا“۔

حافظ عبدالسلام بن محمد نے آیت مذکور کی تفسیر میں مختلف محدثین کے اقوال درج کیے ہیں:

☆ {فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا} یعنی ایک سے زیادہ مسکینوں کو کھلا دے۔

☆ ابن عباس iنے فرمایا کہ ہر دن کی جگہ نصف صاع فدیہ دے دے۔

☆ ایک روزے کی جگہ ایک کلو اناج دے دے یا ایک مسکین کو بلا کر کھانا کھلا دے۔[4]

مولانا امین احسن اصلاحی آیت مذکور میں مستطیع سے کیے گئے مطالبے کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

”یہ ایک مستطیع سے کم سے کم مطالبہ ہے جس کا پورا کرنا ضروری ہے، اگر کوئی شخص ایک سے زیادہ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ان کے ساتھ کوئی اور نیکی کرے تو یہ زیادہ بہتر ہے“۔[1]

---

[1] شاہین جمالی، محفوظ الرحمن، مولانا، ” انسانی حقوق اور اسلامی نقطہ نظر“، ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی۔ انڈیا، ص:۲۲۰

[2] البقرۃ،۲: ۱۸۴

[3] الموصلی، ابویعلیٰ احمد بن علی، ”مسند ابی یعلی“، دار المامون للتراث۔ دمشق، ج:۷، ص:۲۰۴، الرقم:۴۱۹۴

[4] عبدالسلام بن محمد، حافظ، ”تفسیر القرآن الکریم“، دارالاندلس۔ لاہور، ج:۱، ص:۱۴۷

پیر محمد کرم شاہ مساکین کو فدیے کے طور پر کھانا کھلانے سے متعلق لکھتے ہیں:

"بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ "یطیقون" کا معنی ہے کہ جو لوگ بڑی ہی مشکل سے روزہ رکھ سکتے ہوں وہ فدیہ ادا کریں، مثلاً بوڑھا، دائم المریض، حاملہ عورت، دودھ پلانے والی، ان کے لیے یہ رعایت دی گئی ہے اور یہ رعایت آج بھی بحال ہے"۔[2]

حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ k کو نصیحت فرمائی:

''يَا عَائِشَۃُ لاَ تَرُدِّی الْمِسْکِينَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ، يَا عَائِشَۃُ أَحِبِّی الْمَسَاکِينَ وَقَرِّبِيہِمْ فَإِنَّ اللَّہَ يُقَرِّبُکِ يَوْمَ الْقِيَامَۃِ''۔[3]

"اے عائشہ! کسی بھی محتاج و ضرورت مند کو مایوس نہ لوٹا خواہ کھجور کی گٹھلی ہی کیوں نہ دے سکو، مزید یہ کہ غریب اور محتاج لوگوں سے محبت کیا کرو اور ان سے قربت حاصل کیا کرو، بے شک (اس کے صلہ میں) اللہ تعالیٰ روزِ قیامت تمہیں اپنے قرب سے نوازیں گے"۔

نور الزمان نوری اپنی کتاب "غریب پرور رسول ﷺ" میں لکھتے ہیں:

"نبی رحمت ﷺ دنیا میں جو دین لے کر مبعوث ہوئے اس میں غریبوں مسکینوں، بے کسوں، بے سہاروں اور محتاجوں سے ہمدردی و خیرخواہی، رب کریم کی رضا اور قرب کا ذریعہ اور جنت کے حصول کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ مسکینوں سے محبت اور ان کی اعانت کرنے والا، اللہ کا محبوب اور جنت میں حضور نبی اکرم ﷺ کا ساتھی ہوگا۔ معاشرے کے مفلوک الحال لوگوں کی معاشی مدد کرنے والے اور محتاجوں کی حاجات پوری کرنے کے لیے اپنے سرمایہ و دولت خرچ کرنے والے انسان اپنے صدقات، اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پیش کرتے ہیں۔ قرآن حکیم ایسے ابرار کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

{وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا}[4]

"اور (اپنا) کھانا اللہ کی محبت میں (خود اس کی طلب و حاجت ہونے کے باوجود ایثار) محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں کہ) ہم تو محض اللہ کی رضا کیلئے تمہیں کھلا رہے ہیں، نہ تم سے کسی بدلہ کے خواستگار ہیں اور نہ شکر گزاری کے (خواہشمند) ہیں"۔

آیہ کریمہ میں ''اطعام الطعام" کنایہ ہے۔ اس سے مراد ہر وہ عمل اور صورت ہے جس سے محتاج لوگوں کی ہر طرح کی ضرورتیں پوری کی جاتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی بیمار ہے تو اس کا علاج کرانا، کوئی کپڑے کا محتاج ہے اسے کپڑے عطا کرنا، کوئی قرض دار ہے تو اس کے قرض کو دور کرنا، یہ ساری صورتیں اسی ضمن میں داخل ہیں۔ خدا کی پریشاں مخلوق کے لیے مال و دولت خرچ کرنا، بارگاہِ الوہیت میں کس قدر محبوب و مقبول عمل ہے، سورہ توبہ کی درج ذیل آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ}[5]

"کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہی تو اپنے بندوں سے (ان کی) توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (یعنی زکوۃ و خیرات اپنے دست قدرت سے) وصول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی بڑا توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان ہے"۔

---

[1] اصلاحی، امین احسن، "تدبر قرآن"، فاران فاؤنڈیشن۔ لاہور، ج:۱، ص:۴۵۰

[2] کرم شاہ، پیر محمد، "ضیاء القرآن"، ضیاء القرآن پبلیکیشنز۔ لاہور، ج:۱، ص:۱۲۴

[3] الترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن الضحاک، ''سنن الترمذی'' ابواب الزھد، بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِينَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَائِهِمْ

[4] الدھر، ۷۶: ۸۔۹

[5] التوبۃ، ۹: ۱۰۴

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دعاؤں کی قبولیت کے لیے، محتاج و پریشان مخلوق سے دلسوزی و درد مندی کے عملی مظاہرہ کو شرط قرار دیتا ہے کہ ہماری عطا کردہ دولت سے اپنے گردوپیش میں ان لوگوں کی معاشی پریشانیوں کو دور کرو جو معاشرتی ناانصافیوں کا شکار ہو کر معاشی تعطل کی نذر ہو گئے، پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ان پریشان حال لوگوں کا ہماری ذات سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ تم جو کچھ بھی صدقہ و خیرات انہیں دینا چاہو وہ ہم براہِ راست اپنے دست قدرت سے وصول کرتے ہیں اور اپنی طرف سے انہیں عطا کرتے ہیں تاکہ ان کی عزتِ نفس مجروح نہ ہو"۔[1]

حافظ ابن کثیر آیت کریمہ:{وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا}کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"ایک قول تو یہ ہے کہ وہ اللہ کی محبت کی وجہ سے کھانا کھلاتے ہیں...باوجودیکہ انہیں خود طعام کی محبت اور خواہش ہے، پھر بھی یہ دوسروں کو کھلا دیتے ہیں...یعنی جب تمہیں مال سے محبت ہو، اس کی خواہش ہو اور اس کی حاجت و ضرورت بھی ہو تو صدقہ کرنا...اور باوجود اس کی محبت کے وہ فقیروں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان کے قیدی ان دنوں مشرک ہی تھے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگِ بدر کے دن صحابہ کرامؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ قیدیوں کی عزت افزائی کریں، لہٰذا صحابہ کرامؓ کھانے کے وقت اپنے آپ پر انہیں ترجیح دیتے تھے۔یعنی یہ ان لوگوں کو کھانا کھلا دیتے ہیں، حالانکہ انہیں کھانے کی خود بھی خواہش و حاجت ہوتی ہے اور زبان حال سے کہہ رہے ہوتے ہیں کہ ہم تمہیں اللہ کے ثواب اور اس کی رضا کے حصول کے لیے کھلاتے ہیں۔ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم ہمیں اس کا بدلہ دو یا لوگوں کے پاس ہمارا شکریہ ادا کرو۔مجاہد اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! انہوں نے یہ بات بھی اپنی زبانوں سے ادا نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات ان کے دلوں سے معلوم کرتے ہوئے ان کی تعریف کی تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی اچھے اعمال بجالانے میں رغبت ہو"۔[2]

حافظ عبدالسلام بن محمد آیت {وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا}سے دو الگ الگ معنی مراد لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

☆ "ایک یہ کہ خود کھانے کی خواہش و ضرورت کے باوجود وہ دوسرے مستحقین کو کھلا دیتے ہیں، دوسرا یہ کہ اللہ کی محبت کی وجہ سے ان لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔یہاں پہلا معنی زیادہ موزوں ہے، کیونکہ دوسرا معنی تو اگلی آیت: ہم تو تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں، میں آرہی رہا ہے، لہٰذا تکرار سے بہتر ہے کہ الگ الگ مفہوم مراد لیا جائے...

☆ مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلانا ان اہم ترین مواقع میں سے ہے جہاں صدقہ کرنے کا حق ہے، کیونکہ مسکین وہ ہے جس کی کمائی سے اس کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں، یتیم اس سے بھی عاجز ہے، کیونکہ اس کا کمانے والا فوت ہو چکا ہے اور وہ کم عمر ہونے کی وجہ سے کمائی نہیں کر سکتا اور قیدی ان دونوں سے زیادہ عاجز ہے، کیونکہ اسے کسی چیز کا اختیار ہی نہیں، وہ کلیۃً دوسروں کے رحم و کرم پر ہے...

☆ زمانۂ جاہلیت میں اسیروں سے بہت برا سلوک کیاجاتا تھا، انہیں بیڑیاں لگا کر ہر روز باہر نکالا جاتا تاکہ وہ گدائی کے ذریعے سے اپنی ضرورت کی چیزیں لوگوں سے حاصل کریں۔اللہ تعالیٰ نے اسیروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا اور "ابرار" کی صفت بیان فرمائی کہ وہ خود ضرورت مند ہونے کے باوجود مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے متعلق صحابہ کو تاکید فرمائی کہ ان کا اکرام کریں، چنانچہ وہ کھانے کے وقت انہیں اپنے آپ پر مقدم رکھتے۔رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کے ہاں اسیر کافر لوگ ہی تھے جوجنگوں میں گرفتار ہو کر آتے تھے، آپ کے زمانے میں مسلمان اسیر نہیں رکھے جاتے تھے، مگر آیت کے الفاظ عام ہیں، اس لیے کوئی مشرک اسیر ہو یا کسی جرم یا مطالبے میں گرفتار مسلم اسیر، سب سے حسنِ سلوک لازم ہے، بلکہ مسلمان اسیروں سے احسان بالاولیٰ لازم ہے"۔[3]

مولانا مودودی طعام کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

---

[1] نوری، نور الزماں، "غریب پرور رسول ﷺ"، ص:۳۶:۳۷

[2] ابن کثیر، عماد الدین، ابو الفداء، امام، "تفسیر ابن کثیر (اردو)"، ترجمہ: مولانا محمد خالد سیف، دارالسلام۔لاہور، ج:۶، ص:۳۹۳

[3] عبدالسلام بن محمد، حافظ، "تفسیر القرآن الکریم"، ج:۴، ص:۸۷۳

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

"اگرچہ بجائے خود کسی غریب کو کھانا کھلانا بھی ایک بہت بڑی نیکی ہے، لیکن کسی حاجت مند کی دوسری حاجتیں پوری کرنا بھی ویسا ہی نیک کام ہے جیسا بھوکے کو کھانا کھلانا۔ مثلاً کوئی کپڑے کا محتاج ہے، یا کوئی بیمار ہیاور علاج کا محتاج ہے، یا کوئی قرضدار ہے اور قرض خواہ اسے پریشان کر رہا ہے، تو اس کی مدد کرنا کھانا کھلانے سے کم درجے کی نیکی نہیں ہے، اس لیے اس آیت میں نیکی کی ایک خاص صورت کو اس کی اہمیت کے لحاظ سے بطور مثال پیش کیا گیا ہے، ورنہ اصل مقصود حاجت مندوں کی مدد کرنا ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ غریب کو کھانا کھلاتے ہوئے زبان ہی سے یہ بات کہی جائے، دل میں بھی یہ بات کہی جاسکتی ہے اور اللہ کے ہاں اس کی بھی وہی حیثیت ہے جو زبان سے کہنے کی ہے۔ لیکن زبان سے یہ بات کہنے کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ جس کی مدد کی جائے اس کو یہ اطمینان دلا دیا جائے کہ ہم اس سے کسی قسم کا شکریہ یا بدلہ نہیں چاہتے، تاکہ وہ بے فکر ہو کر کھائے"۔[1]

پیر کرم شاہ نے آیت کی تفسیر میں ایمان والوں کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اللہ تعالیٰ کی محبت کے باعث اس کی حاجت مند مخلوق کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر فوقیت دیتے ہیں، حاجت مندوں کی فہرست اگرچہ طویل ہے، ان میں سے تین اہم اقسام کا ذکر کر دیا، اگر کوئی بھوکا، کوئی یتیم یا کوئی قیدی ان کے دروازے پر دستک دے تو وہ اسے دھتکارتے نہیں بلکہ اس کو کھانا کھلا کر رخصت کرتے ہیں۔ مکہ کے مادہ پرستانہ ماحول میں اس قسم کے فقراء پر جو گزرتی ہو گی وہ کسی سے مخفی نہیں، غریبوں اور مسکینوں سے ان کی نفرت اظہر من الشمس تھی ، حضور کے پاس اگر غریب لوگ بیٹھے ہوئے ہوتے تو مشرکین اس محفل میں بیٹھنا اپنے لیے باعثِ ہتک سمجھتے، جو لوگ اس قسم کے غرباء و فقراء پر احسان کیا کرتے اللہ تعالیٰ ان کی عزت افزائی کر رہے ہیں تاکہ دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی ان کے نقشِ قدم پر چلنے کا شوق پیدا ہو تاکہ اسلامی معاشرہ میں کوئی مسکین کوئی یتیم اور کوئی اسیر ایسا نہ ہو جو رات کو بھوکا سوئے۔ 'حُبِّہٖ' کی ضمیر کے مرضع کے بارے میں دو قول ہیں:(۱) اس کا مرجع طعام ہے یعنی انہیں خود کھانے کی ضرورت ہوتی ہے اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو نظر انداز کرکے دوسروں کی بھوک کا ازالہ کرتے ہیں۔(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے، یعنی یہ کام وہ محض اللہ تعالیٰ کی محبت میں کرتے ہیں۔ "اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ "اسی کی تائید کرتی ہے، یعنی اپنے قول یا اپنے طرزِ عمل سے ان پر یہ بات واضح کر دیتے ہیں کہ اس خدمت کا وہ ان سے کوئی معاوضہ نہیں مانگیں گے، وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ وہ اظہارِ تشکر کریں اور لوگوں کے سامنے ان کی سخاوت کا تذکرہ کریں، انہوں نے یہ کام محض اپنے رب کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم آج اپنے ربِ کریم کو راضی کرلینا چاہتے ہیں کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ ایک بہت سخت دن آنے والا ہے جس کی ہولناکیوں کا تصور کرکے ہمارے دل آج بھی لرز رہے ہیں، اگر ہم نے اپنے رب کو خوش کر لیا تو ہمیں یقین ہے کہ قیامت کے روز ہمیں کوئی کھٹکانہ ہوگا"۔[2]

قاضی ثناء اللہ پانی پتی مساکین سے متعلق آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

{وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ}اس میں اشارہ ہے اس امر کی جانب کہ مومن اللہ کے بندوں پر مہربانی کرتے ہیں، رضائے مولیٰ کے حصول کیلئے خلوص کے ساتھ نفل نیکیاں کرتے ہیں۔{عَلٰى حُبِّهٖ} اللہ کی محبت میں یا کھانے کی محبت اور حاجت کے باوجود۔{مِسْكِيْنًا ...} ابن منذرنے ابن جریج کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اہل اسلام کو قید نہیں کرتے تھے (اس لیے آیت میں مسلمان قیدی مراد نہیں) بلکہ اس آیت کا نزول ان مشرکوں کے سلسلہ میں ہوا تھا جن کو مسلمان قید کر لیا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ ان مشرک قیدیوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتے تھے۔ بغوی کی روایت میں ہے کہ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو وہ تمہارے پاس قیدی ہیں...

---

[1] مودودی، ابوالاعلیٰ، مولاناسیّد، "تفہیم القرآن"، ادارہ ترجمان القرآن۔ لاہور، سورۃالدھر، ص:۳۱

[2] کرم شاہ، پیر محمد، "ضیاء القرآن"، ج:۱، ص:۴۴۴،۴۴۵

حرف وسخن HARF-O-SUKHAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

{يُطْعِمُوْنَ}کی ضمیر کی حالت کا اظہار ہے یعنی وہ اس قول کو کہنے کی حالت میں کھانا کھلاتے ہیں۔یہ قول یا تو واقعی وہ زبان سے کہتے ہی تھے یا زبان حال گویا تھی۔مجاہد اور سعید بن جبیر نے کہا ان لوگوں نے اپنی زبانوں سے یہ الفاظ نہیں کہے تھے مگر ان کی دل کی حالت سے اللہ واقف تھا(اور دل سے ضرور انہوں نے یہ بات کہی تھی) اس قلبی قول ہی کی اللہ نے تعریف فرمائی ہے"۔[1]

جب یہ خواہش اور فکر ہو کہ ہر مسلمان کے لیے خیر خواہی کا مادہ ہو، پھر ذاتی مفادات اور ضروریات پر دوسروں کو ترجیح دینے میں جو ایمان و حلاوت نصیب ہوتی ہے وہ محض اہلِ ایمان کا ہی خاصہ ہے۔حضرت انسhروایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُحِبَّ لِجَارِهِ، أَوْ قَالَ: لِأَخِيهِ، مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ''۔[2]

"اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے پڑوسی اور اپنے بھائی کیلئے وہی پسند نہ کرنے لگے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے"۔

یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک ایمان دار شخص اپنے لیے طرح طرح کی نعمتوں ، آسائشوں، ناز و نعم کو پسند کرے جبکہ یہی چیزیں کسی محروم بھائی کے پاس نہ ہونے کی صورت میں اسے نہ دے، ظاہر ہے کہ ایسا کرنا اعلیٰ اخلاق لوگوں کا وصف نہیں، مفتی ظفر اقبال اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ کوئی بھی شخص اس وقت تک ایمان کا کمال اور اس کا حسن حاصل نہیں کر سکتا جب تک اپنے بھائی کیلئے بھی وہی پسند نہ کرنے لگے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے... یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں کیونکہ جب انسان اپنے بھائی سے اللہ کی رضا کیلئے محبت کرے گا تو اس کے لیے کبھی برا نہ چاہے گا، اور جب انسان اپنے بھائی کیلئے خیر کی بات سوچے اور چاہے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے بے لوث اور بے غرض محبت کرتا ہے ، اور اس ناکارہ کا اس مختصر زندگی میں "جس کے طویل ہونے کی اسے کوئی لالچ تو کیا ، خواہش بھی نہیں ہے " یہ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جس شخص کو بے غرض اور بے لوث محبت کرنے والا کوئی شخص مل جائے، وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے، کیونکہ آج کل لوگ جس چیز کو "محبت" کا نام دے کر لفظِ محبت کی دھجیاں بکھیر دیتے ہیں، وہ محبت نہیں، مفادات ہوتے ہیں، جب تک مفادات رہتے ہیں تب تک محبت رہتی ہے اور جس دن مفادات پر زد پڑتی ہے، اسی دن محبت کے سارے دعوے دریا میں بہہ جاتے ہیں، محبت کے یہ دعویدار اپنے محبوب پر مصیبت اُترتی ہوئی دیکھنے کی ہمت نہیں رکھتے اس لیے فوراً ہی اس سے جدا ہو جاتے ہیں، مہر و وفا کی داستانیں صفحاتِ دہر پر رقم کرنے کی شیخی بگھارنے والے لوگ دستر خوان سے اُٹھ کر میدان جنگ پہنچتے پہنچتے تھک جاتے ہیں اور راستے میں اپنے محبوب کے اہل خانہ کی حفاظت کے خیال سے واپس آجاتے ہیں، اس لیے بے لوث اور بے غرض محبت کرنے والا کوئی شخص مل جائے تو اس کی قدر کرنی چاہیے کیونکہ اس کا ایمان اس پہلو سے نہایت حسین اور کامل ہے کہ اس کی محبت مفادات کے تابع نہیں ہے"۔[3]

حافظ محمد سعد اللہ اپنی کتاب "غریبوں کا والی ﷺ" میں رقمطراز ہیں:

"اللہ کریم چونکہ انسان کا خالق رازق اور رب ہے پھر وہ اس کی فطرت اور طبعی تقاضوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اس لیے اس نے انسان کے اس طبعی تقاضے کو سب سے پہلے پورا کرنے کے انتظامات فرمائے ، نبی رحمت جنہیں اللہ کریم نے رحمۃ اللعالمین اور مومنین کے واسطے رؤف رحیم بنا کر مبعوث فرمایا تھا، مخلوق خدا کی ہمدردی، غمگساری، خیرخواہی اور شفقت و رحمت جن کی طبیعت ثانیہ تھی کیسے ممکن تھا کہ آپ ﷺ ضرورت مندوں محتاجوں، غریبوں، مسکینوں ، کمزوروں اور بھوکوں کی معاشی فلاح کا کوئی انتظام نہ فرماتے، آنجناب کی ذاتی غمخواری اور درد مندی کا یہ عالم تھا کہ جب تک بھوکے کو کھانا نہ کھلا لیتے، ننگے کو کپڑا مہیا نہ فرما لیتے، مصیبت زدہ کی مصیبت دور نہ فرمالیتے، پریشان حال کی پریشانی کا علاج نہ فرما لیتے، مشکل میں پھنسے ہوئے کو مشکل سے نہ نکال لیتے، درد سے کراہنے والوں کو چپ نہ کرا لیتے، مظلوم کو ظلم سے نجات نہ دلوا لیتے، خوف زدوں کے خوف کو دور نہ فرمالیتے، مقروض لوگوں کی ادائیگی قرض کا کوئی انتظام نہ فرما لیتے، یتامی و بیوگان کی دیکھ بھال کی کوئی صورت پیدا نہ فرمالیتے، بے آسرا اور بے سہارا

---

[1] پانی پتی، محمد ثناءاللہ، علامہ قاضی، "تفسیر مظہری"، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔پاکستان، ج:۱۲، ص:۱۵۹، ۱۶۰

[2] مسلم، ''الجامع الصحيح''، كتاب الايمان، بَابٌ:مِنَ الإِيمَانِ أَنْ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ

[3] ظفر اقبال، مفتی محمد، "جواہر الحدیث"، ادارہ اسلامیات، لاہور۔پاکستان، ج:۱، ص:۲۳۸

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

لوگوں کے لیے کوئی آسرا و سہارا ڈھونڈ نہ لیتے، مسافر و اجنبی کو ٹھہرا نہ لیتے، نہ کما سکنے والوں کی زیست کی کوئی شکل نہ بنا لیتے، اس وقت تک آنجناب کی ذات گرامی کو چین نہ آتا۔ یہ محض لفاظی نہیں بلکہ حقیقت ہے، حضور ﷺ کی اس شفقت علی الخلق اور انسانیت کے ساتھ ہمدردی و غمخواری کے طبعی جذبہ کی طرف قرآن نے یوں اشارہ کیا ہے:

{عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ }[1]

"(لوگو!) تمہارا کسی مشقت میں پڑنا میرے رسول پر بہت گراں گزرتا ہے وہ تمہاری خیر خواہی اور بھلائی کا حریص ہے، خصوصاً مومنین کے حق میں تو بڑا ہی شفیق اور مہربان ہے"۔

دکھ تمہیں ہوتا ہے مصیبت میں تم مبتلا ہوتے ہو، درد تمہیں ہوتا ہے مگر اس درد کی ٹیس وہ محسوس کرتا ہے، تمہاری ہر تکلیف خواہ جسمانی ہو یا روحانی اس کے دل کا درد و غم بن جاتی ہے وہ تمہاری بھلائی کی خواہش سے لبریز ہے، وہ اس کے لیے ایسا مضطرب قلب رکھتا ہے کہ اگر اس کی بن پڑتی تو ہدایت و سعادت کی ساری پاکیاں پہلے ہی دن گھونٹ بنا کر پلادیتا، پھر اس کی محبت و شفقت تمہارے ہی لیے نہیں وہ تو تمام مومنوں کے لیے خواہ عرب کے ہوں یا عجم کے "رؤف رحیم" ہے۔ 'رؤف' رافت سے ہے اور اس کا اطلاق ایسی رحمت پر ہوتا ہے جو کسی کی کمزوری اور مصیبت پر جوش میں آئے، پس رافت، رحمت کی ایک خاص صورت ہے اور رحمت عام ہے، دونوں کے جمع کر دینے سے رحمت کا مفہوم زیادہ قوت و تاثیر کے ساتھ واضح ہو گیا"۔[2]

نبی کریم ﷺ کی امت کے لیے صفت "رؤف رحیم" کس قدر ابر رحمت بن کر برسی، حافظ محمد سعد اللہ مزید لکھتے ہیں:

"آپ ﷺ نے کبھی بھی محض وعظ و نصیحت اور غریبوں کمزوروں ، بھوکوں اور مظلوموں کے حق میں زور دار تقریر پر اکتفا نہیں کیا، صرف زبانی الفاظ اور جھوٹ موٹ کے ٹسووں سے غریب لوگوں کو کبھی بہلانے کی کوشش نہ فرمائی ، کیونکہ تقریر سے کسی بھوکے کا پیٹ نہیں بھرا کرتا، نہ تقریر سے مصیبت زدہ اور مظلوم کی داد رسی ہوا کرتی ہے ، اس لیے آپ ﷺ ہمیشہ زبان سے زیادہ عمل کے ذریعے غرباء و مساکین کی ہر طرح سے امداد ہمدردی غمخواری اور دلداری فرماتے رہے، نبوت سے پہلے بھی آپ ﷺ کی یہی عادت کریمہ تھی اور نبوت کے بعد بھی ساری زندگی یہی معمول رہا، قبل از نبوت کی زندگی میں یتامیٰ بیواؤں ضرورت مندوں، غریبوں کمزوروں اور بے سہارا لوگوں کی عملی ہمدردی اور غمخواری فرمائی۔ بعد از نبوت کے عرصہ حیات میں غریب بے بس، کمزور اور مظلوم و مقہور طبقات کے ساتھ آپ ﷺ کے انتہائی شفقت بھرے رویہ کی عملی مثالیں موجود ہیں۔ اپنی ذاتی ناداری گھریلو ضرورت اور اہل و عیال کے فقرہ و فاقہ کے باوجود آپ ﷺ نے ہمیشہ بلا امتیاز دوسرے ضرورت مندوں کو ترجیح دی...

یہ تو تھا غرباء و مساکین کمزوروں اور ضرورت مندوں کے ساتھ آپ ﷺ کا ذاتی رویہ، یہی اخلاق، یہی انسانی محبت، یہی غمخواری کا جذبہ، یہی عام شفقت، یہی درد دل، اور یہی ایثار و قربانی ، یہی انفاق، یہی فیاضی، یہی بذل و عطا اور یہی انسانیت کے لیے جینے کا جذبہ آپ ﷺ اپنے ماننے والوں میں بھی پیدا فرمانا چاہتے تھے"۔[3]

اسلام نے ہر ہر موقع پر چاہے اس کا تعلق شادی سے ہو یا غمی سے، کسی کے گھر مہمان داری کے آداب سے ہو یا پھر صدقہ و خیرات کرنے سے ، ہر موقع پر مساکین پر خرچ کرنے اور انہیں کھانا کھلانے کی ترغیب و تلقین کی ہے، حتی کہ دودھ پلانے والی عورتوں کے نفقہ اور لباس کا بھی خیال رکھا گیا ہے، تاکہ کوئی بھی طبقہ بھوک و افلاس میں مبتلا نہ رہ جائے۔ بنظر غائر دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے تمام رشتوں کیلئے الگ الگ آسان اور کشادگی کی راہیں ہموار کی ہیں، کوئی بھی شخص کسی بھی رشتے سے وابستہ ہو تو اس کے حقوق بھی متعین کر دیئے گئے اور فرائض بھی۔ دودھ پلانے والی عورتیں عموماً متوسط بلکہ انتہائی غریب گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں، اور دودھ پلائی کا مقصد بھی معاشی زندگی کو سہارا دینا ہوتا

[1] التوبۃ، ۹: ۱۲۸

[2] سعد اللہ، حافظ محمد، "غریبوں کا والی ﷺ"، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری۔ لاہور، ص: ۲۱۱، ۲۱۲

[3] ایضاً، ص: ۲۱۲

حرف و سخن
HARF-O-SUKHAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

ہے، چنانچہ مساکین پر مشتمل اس طبقے کی مناسب نگہداشت کرنے کے لیے اسلام نے ان کے حقوق بچے کے والد پر متعین کیے ہیں، کہ وہ دودھ پلانے والی عورتوں کو نفقہ اور دیگر ضروریات کا خیال رکھیں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ}[1]

"اور باپ کے ذمے بھلے طریقے سے اُن(دودھ پلانے والی) عورتوں کا کھانا اور لباس لازم ہے"۔

دایہ جس سے دودھ پلوایا جا رہا ہے، اس کے حقوق اور اس سے اچھے برتاؤ کی بھی قرآن میں نصیحت کی گئی ہے، کہ اس کا معاوضہ دستور کے مطابق ادا کرو، اور اس سے بھی کسی قسم کی زیادتی نہ کرو۔

چنانچہ ماں اگر کسی مجبوری ،بیماری یا کمزوری میں بچے کو دودھ نہ پلاسکے، تو شریعت میں بچے کی نشوونما اور پرورش کے لیے متبادل نظام موجود ہے، جسے اختیار کرنا تسہل اور آسودگی کا باعث ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ}[2]

"اور اگر تم اپنی اولاد کو کسی دایہ سے دودھ پلانا چاہو تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے"۔

عہد نبوی کے عرب معاشرے میں عورتیں اجرت پر بچوں کو دودھ پلانے پر مامور تھیں، محمد بن ہشام نے اس کا تذکرہ "سیرۃ ابن ہشام" میں یوں کیا ہے:

''الْجلد الّذی یکون فِیہِ الصبی إذا أرضع، ویربی فِیہِ''۔[3]

" وہ(عورتیں، دایا، انّا) بچوں کو دودھ پلانے اور ان کی پرورش کرنے کے لیے مامور کی جاتی تھیں"۔

اہلِ عرب کے ہاں اس کی ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی تھی، محسن فارانی "سیرت انسائیکلوپیڈیا" میں عرب کے دستور اور روایت سے متعلق لکھتے ہیں:

"عرب کے ممتاز گھرانوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو شہری اور وبائی بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے لیے دودھ پلانے والی بدوی عورتوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے تاکہ وہ تندرست رہیں، ان کے جسم طاقتور اور اعصاب مضبوط ہو جائیں، مزید برآں وہ اپنے گہوارے ہی میں ٹھیٹھ عربی زبان کا ذوق پیدا کر لیں، اور صحیح لب و لہجہ کے ساتھ بخوبی بولنے لگیں۔شرفائے عرب نے یہ روایت جاری رکھی حتیٰ کہ مدتوں بعد بنو اُمیہ کے دور اقتدار میں بھی یہ روایت بدستور جاری رہی۔بنو امیہ نے دمشق کو دارالحکومت بنادیا اور شاہانہ شان و شوکت اختیار کر لی۔پھر بھی یہ روایت نہیں بدلی اور شاہانِ بنو امیہ کے بچے بادیہ نشین بدوئوں ہی کے گھروں میں دودھ پیتے اور پلتے رہے۔صرف خلیفہ ولید بن عبدالملک وہ چھٹا اموی حکمران تھا جو مخصوص اسباب کی وجہ سے صحرائی ماحول میں نہ جاسکا، وہ شاہی حرم ہی میں پلا، نتیجہ یہ نکلا کہ خاندان بنی اُمیہ میں وہی اکیلا شخص تھا جو فصیح عربی کے ذوق سے ناآشنا رہا۔اس کی حالت یہ تھی کہ وہ صحیح عربی بولنے سے بھی قاصر تھا۔یہ ایک معلوم و معروف حقیقت ہے کہ جب کسی خاتون کے ہاں بچے کی ولادت ہوتی ہے تو اس وقت اُسے دوسری خواتین کے تعاون کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔حضرت آمنہ اس مرحلے سے گزریں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کرنے اور جناب رسالت مآب ﷺ کو دودھ پلانے کے لیے کئی مہذب اور مہربان خواتین کا اہتمام فرمادیا"۔[4]

مسکین کسی بھی طرح سے زندگی گزار رہا ہو،اسلام نے اہل ثروت کو اس بات کا پابند بنایا ہے کہ وہ سماج کے پسے ہوئے طبقے کا ہر صورت خیال رکھیں، اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو قرآن کریم میں ایسے لوگوں کے لیے بڑی عیدوں کا تذکرہ ہے،اور ان وعیدوں کا انجام جہنم میں داخلے کی صورت ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] البقرۃ،۲: ۲۳۲

[2] البقرۃ،۲: ۲۳۳

[3] جمال الدین،ابو محمد،عبد الملک بن ہشام،"سیرۃ ابن ہشام"،شرکۃ مصطفی البابی۔مصر،ج:۲،ص:۱۷

[4] محسن فارانی،"سیرت انسائیکلوپیڈیا"،دارالسلام۔لاہور،ج:۲،ص:۱۲۴

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

{وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ}[1]

"اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا"۔

امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

"نہ تو اطاعت و عبادت بجا لا کر اللہ کے حقوق کو ادا کرتا تھا اور نہ مخلوق کو نفع پہنچاتا اور اس کے حقوق ادا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ صرف اور صرف اس کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، لوگوں کے ساتھ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں مدد کریں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نماز قائم کرنے کے ساتھ ساتھ زکاۃ ادا کرنے کا بھی حکم دیا ہے"۔[2]

مفتی محمد شفیع "معارف القرآن" میں رقمطراز ہیں:

"اور (خود تو کسی کو کیا دیتا اوروں کو بھی)غریب آدمی کے کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا۔(حاصل یہ کہ خدا کی عظمت اور مخلوق کی شفقت جو اصل عبادات متعلقہ حقوق اللہ و حقوق العباد ہیں یہ دونوں کا تارک اور منکر تھا اس لیے مستحق عذاب ہوا) سو آج اس شخص کا نہ کوئی دوستدار ہے اور نہ اس کو کوئی کھانے کی چیز نصیب ہے بجز زخموں کے دھوون کے"۔[3]

حافظ عبدالسلام نے مسکین کو نہ دینے کی صورت میں عذابِ الٰہی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"عذاب کا باعث یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ اس کا معاملہ یہ تھا کہ اس پر ایمان ہی نہیں رکھتا تھا، یعنی اسے مانتا ہی نہیں تھا، یا اس کے ساتھ کچھ شریک بنا رکھے تھے اوربندوں کے ساتھ معاملہ یہ تھا کہ مسکین کو خود کھلانا تو دور کی بات ہے، کسی دوسرے کو اسے کھلانے کی ترغیب بھی نہیں دیتا تھا، اس نے اللہ کا حق پہچانا نہ بندوں کا"۔[4]

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے مسکین کو نہ کھلانے کی وعید بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وہ کبھی اور کو بھی اسے کھانا کھلانے پر برانگیختہ نہیں کرتا، چہ جائیکہ وہ اپنا مال خرچ کرے، 'حض' کا ذکر یہ شعور دلانے کے لیے ہے کہ جوبرانگیختہ نہیں کرتا اس کا یہ حال ہے اور جو عمل نہیں کرتا اس کا کیا حال ہوگا۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ کفار کو بھی فرعی اعمال میں عذاب دیا جائے گا۔ شاید ان دو امروں کو خصوصی طور پر اس لیے ذکر کیا ہے کہ قبیح ترین عقیدہ اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا اور قبیح ترین اخلاق بخل اور دل کی سختی ہے"۔[5]

مولانا مودودی تفسیر "تفہیم القرآن" میں لکھتے ہیں:

"یعنی خود کسی غریب کو کھانا کھلانا تو درکنار ، کسی سے یہ کہنا بھی پسند نہ کرتا تھا کہ خدا کے بھوکے بندوں کو روٹی دے دو"۔[6]

مولانا ثناء اللہ امرتسری غرباء کو کھانا کھلانے سے متعلق لکھتے ہیں:

"یہ اللہ عظیم پر یقین نہ رکھتا تھا یہ تو اس کا اعتقادی قصور تھا عملی قصور یہ تھا کہ غریب غرباء کو اپنے پاس کھانا کھلانا نہ کسی دوسرے کو کھلانے کی ترغیب دیتا یعنی خود بخیل تھا اور لوگوں کو بھی بخل سکھاتا تھا، اس کے خیال میں کسی غریب، مسکین کے ساتھ سلوک کرنا اپنا نقصان کرنا تھا،

---

[1] الحاقۃ،۶۹: ۳۴

[2] ابن کثیر، عماد الدین، ابو الفداء، امام، "تفسیر ابن کثیر (اردو)"، ترجمہ: مولانا محمد خالد سیف، ج:۶، ص:۳۰۹

[3] مفتی محمد شفیع، مولانا، "معارف القرآن"، مکتبہ معارف القرآن۔ کراچی، ج:۶، ص:۵۴۴

[4] عبدالسلام بن محمد، حافظ، "تفسیر القرآن الکریم"، ج:۴، ص:۷۹۵

[5] پانی پتی، محمد ثناء اللہ، علامہ قاضی، "تفسیر مظہری"، ج:۱۰، ص:۶۴

[6] مودودی، ابو الاعلیٰ، مولانا سیّد، "تفہیم القرآن"، ج:۶، ص:۷۸

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

چونکہ یہ خود بخیل غیر مفید شخص تھا پس اس کے لیے بھی آج میدان قیامت میں نہ کوئی حمایتی ہے نہ زخموں کے دھون کے سوا اس کے لیے کھانے کو کھانا ہے جس کو سوائے بدکاروں کے اور کوئی نہیں کھائے گا"۔[1]

مولانا امین احسن اصلاحی {وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ} کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یعنی نہ خود مسکینوں پر خرچ کرتا تھا اور نہ دوسروں کو اس نیکی کی راہ پر اُبھارتا تھا، جو لوگ بخیل ہوتے ہیں وہ صرف یہی نہیں کہ خود اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے بلکہ ان کی خواہش اور کوشش یہ بھی ہوتی ہے کہ دوسرے بھی خرچ نہ کریں تاکہ ان کی نجالت کا راز افشاء نہ ہو...

سورۂ ماعون میں یہی بات یوں فرمائی گئی ہے: {فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۔وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ}[2] "پس وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھلانے پر لوگوں کو نہیں اُبھارتا"، البتہ آیت زیر بحث میں یہ حقیقت بھی واضح فرما دی گئی ہے کہ جو لوگ دولت رکھتے ہوئے غریبوں اور مسکینوں کو دھکے دیتے ہیں وہ درحقیقت خدائے عظیم پر ایمان نہیں رکھتے اگرچہ ایمان کا دعویٰ وہ کتنی ہی بلند آہنگی سے کرتے ہوں، اسی طرح سورۂ ماعون میں ان لوگوں کو نماز کو بالکل بے حقیقت ٹھہرایا ہے جن کی خست کا یہ حال ہے کہ چھوٹی چھوٹی خبروں کے معاملے میں بھی تنگ دلی برتتے ہیں اور ضرورت مندوں کو نہیں دیتے۔ فرمایا ہے:{فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۔الَّذِیْنَ ہُمْ عَنْ صَلَاتِہِمْ سَاہُوْنَ ۔الَّذِیْنَ ہُمْ یُرَآءُوْنَ ۔وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ}[3] "پس ان نماز پڑھنے والوں کے لیے ہلاکی ہے جو اپنی نمازوں کی حقیقت سے بے خبر ہیں، جو دکھاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں اور ضرورت کی معمولی چیزیں بھی مانگے نہیں دیتے"۔ان دونوں مقامات پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جو شخص مال رکھتے ہوئے یتیموں اور مسکیوں کی مدد نہیں کرتا نہ اس کا ایمان معتبر ہے اور نہ اس کی نماز کا کوئی وزن ہے اگرچہ وہ ایمان کا بھی مدعی ہوا اور نماز کی بھی نمائش کرتا ہو۔یعنی اس کی اس خست و نجالت کی سزا اس کو یہ ملی کہ یہاں کوئی اس کا ہمدرد و مددگار نہیں، جس نے نہ خدا کا حق پہچانا اور نہ اس کی مخلوق کا، قیامت کے دن بھلا کون اس کے ساتھ ہمدردی کرنے والا ہوگا؟ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ جو لوگ مال رکھتے ہوئے بخیل ہوتے ہیں ان کے ساتھ اس دنیا میں بھی کسی کو ہمدردی نہیں ہوتی تو جزائے اعمال کی دنیا میں ان کے ساتھ بھلا کون ہمدردی کرنے والا اُٹھے گا"۔[4]

پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

"دو جرموں کی پاداش میں اسے یہ ہولناک سزا دی جا رہی ہے، ایک تو یہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان نہیں لایا تھا، دوسرا یہ کہ بڑا کنجوس اور سنگدل تھا۔خود تو اپنے گھر سے کسی کو کھانا کھلانے کی اسے کبھی توفیق نہ ہوئی، مزید برآں اس نے کبھی کسی دوسرے کو بھی بھوکے غریب کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دی، صرف کنجوس ہی نہیں تھا بلکہ سنگدل بھی تھا۔قرآن کریم انسان کی مادی اور روحانی ضروریات کی طرف یکساں توجہ دیتا ہے، اس نے جہاں بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی عبادت کرنے کی تاکید کی ہے، وہاں فقراء و مساکین کی ضروریاتِ زندگی کو بہم پہنچانے کا بھی تاکیدی حکم دیا ہے"۔[5]

بالآخر ایسے لوگ کی بدبختی اور شقاوت ان پر غالب آہی جائے گی، اور بخیلی ، کنجوسی اور مال کو سنبھال سنبھال کر رکھنے کے نتیجے میں انہیں جہنم میں داخل کیاجائے گا، سورۂ مدثر میں اہل جنت اور اہل جہنم کا مکالمہ بیان ہوا ہے، جنت کے لوگ اہل جہنم سے پوچھیں گے کہ تمہیں کس چیز نے جہنم میں داخل کر دیا ہے، وہ جہاں نماز نہ پڑھنے کو باعث قرار دیں گے، وہیں اس بات کا بھی افسردگی سے اقرار کریں گے کہ ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] ثناء اللہ امرتسری، شیخ الاسلام مولانا، "تفسیر ثنائی"، مکتبہ قدوسیہ۔لاہور، ج:۳، ص:۴۱۱

[2] الماعون،۱۰۷: ۲۔۳

[3] الماعون،۱۰۷: ۴۔۷

[4] اصلاحی، امین احسن، "تدبر قرآن"، ج:۸، ص:۵۵۰

[5] کرم شاہ، پیر محمد، "ضیاء القرآن"، ج:۵، ص:۳۵۳

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

{وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ}[1]

"اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے"۔

پیر کرم شاہ آیت مذکور کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اہل جنت دوزخیوں سے پوچھیں گے تمہیں کس جرم کی پاداش میں جہنم کے درد ناک عذاب میں مبتلا کیا گیا؟ وہ جواب دیں گے ہمارے دو قصور تھے جن کی ہم یہ سزا بھگت رہے ہیں، (ا) اپنے ربّ کریم کو سجدہ نہیں کرتے تھے، اکڑے اکڑے رہتے تھے، کبھی بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آتا تھا کہ جس کریم کے کرم کے صدقے یہ زندگی عزت و آرام سے گزر رہی ہے اسے سجدہ بھی کرنا چاہیے ، اس کی عبادت بھی ضروری ہے اور دوسری غلطی ہم سے یہ ہوئی کہ خود تو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھایا کرتے ، لیکن غریبوں مسکینوں کی ضرورت کی طرف توجہ ہی نہ دیتے، وہ ہمارے پڑوس میں کئی کئی روز بھوکے بلکتے رہتے، ہم نے کبھی ان کی پرواتک نہ کی... نماز جو تمام عبادتوں سے اعلیٰ و ارفع ہے ، اس کا تارک اور فقراء و مساکین کی ضروریاتِ زندگی سے غفلت برتنے والا یکساں عذاب و سزا کے مستحق ہیں، اسلام انسان کی معاشی ضروریات کی بہم رسانی کا کتنا خیال رکھتا ہے"۔[2]

امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

"سب سے پہلے وہ (جہنمی) اس جرم کا اعتراف کریں گے کہ ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے، یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ دین کے عقائد میں جس طرح توحید کو سب پر تقدم حاصل ہے اسی طرح اعمال میں نماز کو سب پر تقدم حاصل ہے، ہر نبی نے سب سے پہلے اسی عمل کی دعوت دی ہے اور اسی کے اہتمام اور اسی کے ترک پر دین کو منحصر بتایا ہے۔اس کے بعد وہ اپنے عدم انفاق کا اعتراف کریں گے کہ وہ مسکیوں کو کھلانے کے روادار نہ تھے، اعمال میں نماز کے بعد دوسرا درجہ انفاق کا ہے اور انہی دونوں پر تمام اعمالِ صالحہ کی عمارت قائم ہے...نماز بندے کا تعلق خالق سے استوار کرتی ہے، اور زکوۃ (انفاق) اس کو خلق سے جوڑتی ہے اور انہی دو کی استواری پر آدمی کے دین کی استواری کا انحصار ہے"۔[3]

اسلام میں کھانا کھلانے کی جس قدر فضیلت ہے، اسی قدر کھانا نہ کھلانے والوں پر شدید وبال بھی پڑے گا، حافظ عبدالسلام لکھتے ہیں:

"جہنمیوں کا یہ اقرار کہ وہ مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام میں مساکین کو کھانا کھلانا کس قدر ضروری ہے"۔[4]

نبی اکرم ﷺ نے ہر شعبہ زندگی میں رہنے والے محکوم اور مظلوم طبقے کی داد رسی کے لیے شفقت کے ایسے لازوال موتی اپنی امت کو عطا کیے ہیں، اگر کوئی نیک نیتی سے ان پر عمل کرے تو معاشرے بڑی حد تک محرومیوں سے چھٹکارا پا لے۔حافظ محمد سعد اللہ لکھتے ہیں:

"نبی رحمت نے دنیا میں جو بہت بڑا اور ہمہ جہتی انقلاب برپا فرمایا اس کی بنیاد اور اساس یہ نظر آتی ہے کہ آپ ﷺ نے سب سے پہلے غلط اور باطل تصورات نظریات عقائد اور فکر کی اصلاح فرمائی ہے۔جب مکمل ذہن سازی ہو گئی تزکیہ نفس ہو گیا اور افکار ونظریات اور عقائد و خیالات درست ہو گئے تو اس کے بعد اوامر و نواہی کے عملی احکام صادر فرمائے گئے۔غلاموں اور خادموں کے بارے میں بھی یہی اصول اختیار فرمایا گیا۔آقا مالک اور مخدوم قسم کے بڑے لوگوں کے ذہن میں اپنے خادموں اور غلاموں کا جو غلط تصور تھا پہلے اس کو دور کیا گیا۔بڑے لوگ اپنے نوکروں چاکروں کو انسان تک نہیں سمجھتے تھے ان کے نزدیک وہ کسی قسم کے انسانی حقوق یا رعایت کے حقدار نہیں تھے ان کی حیثیت ذاتی جاگیر اور پالتو جانور سے زیادہ نہ تھی۔وہ صرف خدمت ہی کے لیے پیدا کیے گئے تھے۔حضور اکرم ﷺ نے نہ صرف ان بیچارے غلاموں اور خادموں کے انسانی حقوق متعین فرمائے بلکہ مالکوں اور مخدوموں کو بتایا کہ یہ نوکر چاکر اورغلام تمہاری طرح صاحب حس و شعور انسان ہیں، اور انسان ہونے کے ناطے سے

---

[1] المدثر،۴۴:۷۴

[2] کرم شاہ، پیر محمد،"ضیاءالقرآن"،ج:۵،ص:۴۲۵

[3] اصلاحی، امین احسن،"تدبر قرآن"،ج:۹،ص:۶۳۔۶۴

[4] عبدالسلام بن محمد، حافظ،"تفسیر القرآن الکریم"،ج:۴،ص:۸۵۵

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

تمہارے بھائی ہیں۔بعض انتظامی مصلحتوں کی بنا پر اللہ نے انہیں تمہارا ماتحت بنادیا ہے۔ان کے ساتھ وہی سلوک کرو جو تم اپنے ماں باپ جائے بھائی کے ساتھ کرتے ہو...

صحاح ستہ کے مؤلفین نے تھوڑے بہت الفاظ کے اختلاف کے ساتھ معروف بن سوید سے ایک روایت نقل کی ہے۔وہ کہتے ہیں، میں ربذہ کے مقام پر معروف صحابی حضرت ابوذر غفاری h سے ملا۔میں نے دیکھا کہ ان پر ایک حلہ (چادر) ہے او راسی قسم کا ایک حلہ ان کے غلام پر بھی ہے ۔ایسا دیکھ کر مجھے تعجب سا ہوا۔چنانچہ میں نے اس کے بارے میں ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ (اصل بات یہ ہے کہ) میں نے ایک مرتبہ ایک (غلام) آدمی کو گالی دی۔(شارحین نے لکھا ہے کہ یہ غلام آدمی حضرت بلال h تھے) اور اسے ان کی ماں کا عار دلایا۔انہوں نے جا کر بارگاہِ نبوی ﷺ میں شکایت کر دی تو حضور اکرم ﷺ نے مجھے ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا: اے ابوذر! کیا تو نے اسے ماں کا عار دلایا۔بیشک تو ایسا آدمی ہے جس میں جاہلیت (کے تکبر اور فخروغرور) کی بو ہے۔اس کے بعد ایک عام اصول اور بنیادی تعلیم کے طور پر تاکیدی پیرائے میں فرمایا:

''إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ، فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلاَ تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ''۔[1]

"تمہارے غلام اور (نوکر چاکر) تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے ماتحت اور قبضہ میں کر دیا ہے۔تو جس کا (انسانی یا دینی) بھائی اس کے قبضے میں ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے غلام اور خادم بھائی کو اسی کھانے میں کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے اور اسے وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے اور انہیں ایسے مشکل کام کی تکلیف نہ دو جو ان کے لیے ناقابل برداشت ہو اور اگرایسے کام کی زحمت دینا ناگزیر ہو تو اس کام میں ان کا ہاتھ بٹاؤ اور ان کی اعانت کرو"۔یہ حدیث اگرچہ ایک غلام کے واقعہ میں وارد ہوئی ہے تاہم اس میں "خول" کا لفظ اصطلاحی گلام کے علاوہ عام خادموں اور نوکروں چاکروں کو بھی شامل ہے"۔[2]

مساکین کو کھانا کھلانے کی جگہ عبادت کا کوئی نظام بھی بندوں کے لیے رائج کیاجاسکتا تھا،اور اسے شریعت کا حصہ بنایا جاسکتا تھا، لیکن مساکین کی کفالت اخوت و احساس کو پروان چڑھانے کے لیے ہے۔قرآن کریم میں جہاں مساکین کو انفرادی و اجتماعی کھانا کھلانے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنے کی تاکید ہے، وہیں محتاج، فقراء، نادار اور مساکین کی ضرورتوں کا خیال نہ رکھنا اور انہیں بھوک و افلاس کی صورت میں چھوڑ دینا جہاں انسانی اقدار کے خلاف ہے، وہیں اخروی سزاؤں کا موجب بھی بن سکتا ہے۔

---

[1] بخاری، ''الجامع الصحیح''، کتاب الایمان، بَابٌ:المَعَاصِی مِنْ أَمْرِ الجَاہِلِیَّۃِ، وَلاَ یُکَفَّرُ صَاحِبُہَا بِارْتِکَابِہَا إِلَّا بِالشِّرْکِ

[2] سعد اللہ، حافظ محمد، "غریبوں کا والی ﷺ"، ص:۲۷۶، ۲۷۷